۲۴

الٰہی جماعتوں میں منافقین کا پیدا ہونا سنتُ اللہ ہے

(فرمودہ ۲۹ / جولائی ۱۹۳۸ء)

تشہّد ،تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:-

''گزشتہ ایام میں یہاں ایک واقعہ ہوا ہے جسے مدنظر رکھتے ہوئے میں سمجھتا ہوں کہ پھر مجھے منافقین کے متعلق جماعت کو اچھی طرح واقفیت بہم پہنچا دینی چاہئے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ قرآن کریم جیسی کتاب بھی بعض لوگوں کے لئے ہدایت کا مگر بعض کے لئے گمراہی کا موجب بھی ہوجاتی ہے۔[1] اس لئے مجھے اس سے غرض نہیں کہ جماعت اس سے فائدہ اٹھاتی ہے یا نہیں، میرے لئے یہی کافی ہے کہ میں ایک بات کو کھول کر پہنچا دوں آگے احباب جماعت اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں یا نہیں میرے لئے یہ سوال کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔ ہر ایک کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے جو لوگ میری بات کو سنیں گے اور اس پر عمل کریں گے، اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ اور ان کی اولادوں کے ساتھ اچھا معاملہ کرے گا لیکن جو رڈ کر دیں گے ان کے اور ان کی اولادوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا معاملہ بھی ویسا ہی ہوگا۔ ہر شخص کا انعام اس کی ذات سے وابستہ ہے مجھے اس سے واسطہ نہیں کہ لوگ کن کانوں سے سنتے ہیں۔ میرا فرض صرف یہ ہے کہ جماعت کو آگاہ کر دوں اور مخلصین کے طبقہ تک اسے پہنچا دوں۔ چند روز ہوئے ناظر صاحب امور عامہ میرے پاس آئے اور اپنی ڈائری میں نوٹ کردہ واقعہ مجھے سنایا کہ یہاں کے ایک دکاندار چوہدری حاکم دین صاحب اور ایک اور دکاندار کے نمائندے محمد سعید صاحب ان کے پاس

آئے اور اجازت طلب کی کہ ہم نے مصری صاحب کے ساتھ حساب کرنا ہے ان سے ملنے کی اجازت دی جائے اور چونکہ ہم نے یہ قانون مقرر کیا ہوا ہے کہ ایسی صورت میں تین آدمیوں کو اکٹھا ملنے کی اجازت دی جایا کرے کیونکہ حساب کتاب کا معاملہ ایسا ہے کہ ہم نہیں کہہ سکتے کہ اس غرض سے اجازت حاصل کرنے والا بہانا کرتا ہے یا واقعہ اس نے کچھ لینا ہے۔ ناظر صاحب امور عامہ نے بتایا کہ میں نے ان سے کہا کہ آپ مرزا مہتاب بیگ صاحب کو ساتھ لے جائیں دو آپ ہیں تیسرے وہ ہو جائیں گے اور تینوں اکٹھے جا کر مل آئیں لیکن انہوں نے واپس آ کر کہا کہ ہم مِل تو آئے ہیں مگر ایک غلطی ہوگئی مرزا مہتاب بیگ صاحب ملے نہیں تھے اس لئے ہم ان کے بغیر ہی چلے گئے تھے۔ ان کا یہ ایسا نامعقول عُذر تھا کہ کوئی معقول آدمی اسے تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں ہوسکتا اس لئے جس حساب پر پہلے سَوا سال گزر چکا ہے یہ حساب ان کے اخراج کے بعد کا تو ہو نہیں سکتا اس لئے لازماً یہ سوا سال سے پہلے کا ماننا پڑے گا۔ اس پر اگر چند گھنٹے اور انتظار کرنا پڑتا حتّٰی کہ وہ تیسرا آدمی مل جاتا اور وہ اسے ساتھ لے جاسکتے تو اس میں کیا حرج تھا۔ کیا اسی دن کوئی خاص مہورت تھا اور کسی جوتشی نے ان سے کہا تھا کہ اگر تم چند گھنٹوں کے اندر اندر نہ پہنچے تو تمہارا روپیہ مارا جائے گا۔ یا گورنمنٹ کا کوئی حکم تھا کہ اس وقت تک کے بعد تمہارا روپیہ ضبط ہو جائے گا۔ یا کیا قرآن کریم کا کوئی ایسا حکم ہے کہ اگر اتنے عرصہ کے اندر اندر قرضہ نہ مانگا جائے تو وہ تلف ہو جاتا ہے۔ آخر کیا وجہ تھی؟ کہ وہ دو تین گھنٹے یا اگر تیسرا آدمی اس روز نہیں مل سکتا تھا تو دوسرے روز جا کر نہیں مل سکتے تھے اور ان کے لئے فوراً ہی وہاں پہنچنا ضروری تھا یا انہیں اس بات سے کس نے منع کیا تھا کہ اگر مرزا مہتاب بیگ صاحب نہیں مل سکے تھے تو دوبارہ ناظر امور عامہ کے پاس آ کر انہیں کہتے کہ کوئی اور آدمی مقرر کر دیا جائے۔ خیر تو ناظر صاحب نے یہ واقعہ بیان کرنے کے بعد مجھے بتایا کہ انہوں نے کل پھر جانا ہے اور میں نے ان کو تاکیداً کہہ دیا ہے کہ کل ضرور مرزا صاحب کو ساتھ لے جائیں۔ یہ سنتے ہی میرے مُنہ سے فوراً نکلا کہ وہ کل بھی نہیں لے جائیں گے اور اگلے دن وہ پھر میرے پاس آئے اور شرمندگی سے کہا کہ وہ آج پھر کسی کو ساتھ لے کر نہیں گئے۔ گو ضروری نہیں کہ ایسے قیاسات جو ان حالات میں کئے جاسکتے ہیں صحیح ہوں بعض اوقات اَور وجوہ

بھی ہو سکتے ہیں۔مگر جب پہلے روز میں نے سنتے ہی کہہ دیا تھا کہ وہ کل بھی کسی کو ساتھ نہیں لے جائیں گے تو قدرتاً دوسرے روز کی بات طبیعت پر زیادہ گراں گزری۔اس وجہ سے میرے مشورہ کے ساتھ ان کے متعلق ناظر صاحب نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ کچھ عرصہ کے لئے جماعت ان کا مقاطعہ کرے یہ عرصہ پہلے پندرہ دن کا تھا مگر بعد میں سات دن کر دیا گیا اس لئے کہ ان کا بعد کا جورویہ تھا وہ اچھا تھا۔میں یہ بات واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ میعاد میں یہ کمی ان سفارشوں کی وجہ سے نہ تھی جو ان کے لئے کی گئیں کیونکہ ایسے موقع پر سفارش کرنا ملزم کو کوئی فائدہ پہنچانے کے بجائے خود سفارش کرنے والے کی منافقت کی علامت ہوتی ہے۔مجھے افسوس ہے کہ سفارش کرنے والوں میں میرے رشتہ دار بھی تھے اور دوسرے لوگ بھی اور انہوں نے یہ خیال نہ کیا کہ ایسی سفارش اسلامی تعلیم کے خلاف ہے۔تم ایک مثال بھی ایسی پیش نہیں کر سکتے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں یا صحابہ کے وقت میں کسی کو سزا دی گئی ہو اور اس مسئلہ کے واضح ہو جانے کے بعد اس کی سفارش آئی ہو۔پھر میں نہیں سمجھتا کہ تم ان مسائل کو کیوں یاد نہیں رکھتے۔ کیا اس وجہ سے کہ کوئی شخص میرا رشتہ دار ہے یا پریذیڈنٹ ہے، وہ یہ سمجھنے لگ جاتا ہے کہ اسے شریعت کو توڑنے کا حق ہے۔میں یہ امر بھی صاف طور پر کہنا چاہتا ہوں کہ جیسا ان لوگوں کا فعل منافقانہ تھا ویسا ہی سفارش کرنے والوں کا ہے۔مجھے کسی کا مطلقاً ڈر نہیں۔خواہ کوئی میرا رشتہ دار ہو یا جماعت میں سے بڑا آدمی ہو۔جو بھی خلافِ شریعت فعل کا مرتکب ہوگا اسے یہ بات سننی پڑے گی۔مجھے افسوس ہے کہ میرے ایک رشتہ دار نے یہاں تک کہا کہ میں چوہدری حاکم دین کے متعلق مسجد اقصیٰ میں قسم کھانے کو تیار ہوں حالانکہ قرآن کریم نے منافقوں کی ایک یہ علامت بھی قرار دی ہے کہ وہ بلا شرعی حق یا ضرورت کے قسمیں کھانے لگ جاتے ہیں[۲] اور جو شخص ایسی بات کے متعلق قسم کھانے کو تیار ہو جاتا ہے جس کی صداقت کا شرعی ثبوت اس کے پاس نہیں، اس کا فعل یقیناً منافقانہ ہے۔جو شخص خدا تعالیٰ کی قسم کو اتنا کمزور سمجھتا ہے کہ ذاتی علم کے نہ ہونے کے باوجود اس کے لئے تیار ہو جاتا ہے اس کے اندر ضرور کمزوری ہے۔میں نے ان میں سے کسی کو بھی منافق قرار نہیں دیا۔ان لوگوں کو بھی نہیں جو علیحدہ جا کر مِلے تھے اور سفارش کرنے والوں کو بھی نہیں اور جیسا کہ قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے منافق ہونا اور منافقت کی رگ کا ہونا

دونوں میں بڑا فرق ہے بعض اوقات مخلص مسلمانوں سے بھی شریعت کے کسی حصّہ کی خلاف ورزی ہو جاتی ہے مگر اس وجہ سے ہم انہیں کافر نہیں کہتے۔ نماز کے متعلق میرا تو یہی عقیدہ ہے کہ جو شخص اسے چھوڑتا ہے وہ مسلمان نہیں مگر ایک گروہ ایسا ہے جو تارکِ نماز کو کافر نہیں کہتا۔ اب دیکھو مسلمانوں میں سے ایک جماعت ایسی ہے جو نمازوں میں سُست ہے، ہزاروں ہیں جو روزے باقاعدہ نہیں رکھتے اور شریعت کے دوسرے احکام بھی توڑتے رہتے ہیں مگر ہم ان کو مسلمان ہی کہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ایک بات کو پیشہ کے طور پر اختیار کر لینا اَور بات ہے اور غفلت یا غلطی ہو جانا اور ہے۔ ابوالدرداء ایک بڑے صحابی گزرے ہیں وہ اتنے پایہ کے صحابی تھے کہ ان کی موجودگی میں صحابہ کوئی کام ان کے مشورہ کے بغیر نہ کرتے تھے۔ ان کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ فرمایا کہ تمہارے اندر جاہلیت کی رَگ ہے۔ انہوں نے پوچھا کہ جاہلیت کفر والی یا اسلام والی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کفر والی۔ تو بعض دفعہ مخلص آدمی بھی منافقانہ فعل کر دیتا ہے۔ وہ خود منافق نہیں ہوتا ہاں اس کا فعل منافقانہ ہوتا ہے۔ جن کو سزا دی گئی تھی منافق سمجھ کر نہیں بلکہ منافقانہ فعل پر سزا دی گئی تھی اور جن لوگوں نے سفارشیں کیں انہوں نے اسلام کے احکام کی خلاف ورزی کی اس لئے ان کا فعل بھی منافقانہ ہے گو وہ خود منافق نہیں ہیں۔ بعض امور میں شریعت نے سفارش کی اجازت دی ہے مگر وہ ایسے امور ہیں جو سیاسی اور حکومت کے متعلق نہ ہوں۔ ایک دفعہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عورت کو جس نے چوری کی تھی سزا دی۔ اس پر بعض لوگ سفارشیں کرنے آئے کیونکہ اس وقت تک اسلامی تعلیم پوری طرح قائم نہیں ہوئی تھی مگر سفارش سن کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سخت ناراض ہوئے اور فرمایا خدا کی قسم اگر فاطمہ چوری کرے تو میں اس کا بھی ہاتھ کاٹ دوں گا۔[۳] تو ایسی باتوں میں سفارش کرنا سخت نادانی کی بات ہے۔ اس کے معنے نظام کو درہم برہم کرنے کے ہیں اس لئے میں اعلان کرتا ہوں کہ کوئی شخص کسی ناظر کے پاس انتظامی کام کے متعلق کوئی سفارش نہ کرے اور اگر اس اعلان کے بعد بھی کرے گا تو میں اسے منافق سمجھوں گا۔ کسی قاضی یا ناظر کے پاس کسی ایسے معاملہ میں سفارش منافقانہ فعل ہے اور اس کے معنی یہ ہیں کہ اسے اپنے فرض کی ادائیگی سے روکا جائے۔ نظامِ سلسلہ میں ہر شخص یکساں حیثیت رکھتا ہے۔ یہ لوگ

جو سفارشیں کرنے جاتے ہیں آخر اسی برتے پر جاتے ہیں کہ ہم جماعت میں بڑے سمجھے جاتے ہیں یا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ کسی تعلق کی وجہ سے ہمیں رسوخ حاصل ہے۔ اور یاد رکھو جب کسی جماعت میں یہ خیال پیدا ہو جائے کہ ہم بڑے آدمی ہیں ہماری بات سُنی جانی چاہئے تو یہ اس کی تباہی کا پہلا قدم ہوتا ہے۔ نظامِ سلسلہ کا جہاں تک تعلق ہے، کوئی بڑا نہیں اور کوئی چھوٹا نہیں۔ دارالصحت کے آدمی سفارشیں لے کر کیوں نہیں آتے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ ہم غریب ہیں ہماری بات کون سنے گا اور جو آئے وہ یہی سمجھ کر آئے کہ ہمیں ایک عزت اور رسوخ حاصل ہے اور ہم بڑے آدمی ہیں لیکن میں ان کو بتا دینا چاہتا ہوں کہ نظامِ سلسلہ میں ان کی بھی اتنی عزت ہے جتنی دارالصحت کے رہنے والوں کی اور جو اس سے زیادہ حاصل کرنا چاہتا ہے، وہ آج بھی گیا اور کل بھی۔ اچھی طرح سن لو کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اولاد اور پوتے یا داماد سب کی جہاں تک نظام کا تعلق ہے ان کی ویسی ہی حیثیت ہے جیسی ایک ادنیٰ خادم کی اور جو اس سے زیادہ سمجھتا ہے اسے ارتداد، کفر اور یا پھر خدا تعالیٰ کے عذاب کے لئے تیار ہونا چاہئے۔ اور جو ناظروں میں سے سفارش سنتا ہے وہ بھی تیار ہو جائے کہ یا تو اسے ٹھوکر لگے گی اور یا پھر وہ عذاب میں مبتلا ہوگا۔ ناظر یا جسے کوئی اور عہدہ ملے اس کے کان اس معاملہ میں بہرے ہونے چاہئیں اور کسی کی بات کی اسے کوئی پرواہ نہیں کرنی چاہئے بلکہ جب کوئی اس کے پاس ایسی سفارش لے کر آئے اسے کہنا چاہئے کہ نکل جاؤ یہاں سے۔ گو مجھے اس بات کے کہنے سے شرم آتی ہے اور حجاب محسوس ہوتا ہے مگر کہنے سے رہ نہیں سکتا کہ شروع ایامِ خلافت میں ایک دو دفعہ ایسا ہوا۔ بعض عورتیں حضرت اماں جان کے پاس پہنچیں اور ان سے سفارش کرانے کی کوشش کی۔ وہ میری والدہ ہیں۔ اماں جان ہیں اور ان کا پایہ سلسلہ میں بہت بلند ہے مگر میں نے ان کی سفارش کو بھی کبھی برداشت نہیں کیا اور صاف کہہ دیا ہے کہ میں اسے سننے کے لئے تیار نہیں ہوں اور ان سے بڑھ کر کون ہو سکتا ہے۔ جب سلسلہ کے نظام میں یہ برداشت نہیں کر سکتا کہ وہ سفارش کریں تو پھر کسی اور کی سفارش کو کس طرح برداشت کیا جا سکتا ہے۔ سفارش کرنے والے امور اَور ہوتے ہیں۔ مثلاً میں نے کسی سے روپیہ لینا ہے اور تقاضا کر رہا ہوں۔ کسی کو علم ہے کہ اس کی مالی حالت اچھی نہیں وہ سفارش کر سکتا ہے کہ اس کی مالی حالت کا مجھے علم ہے

بہت خراب ہے، ابھی اسے مہلت دی جائے۔ ایسی سفارش ثواب ہے مگر نظام کے بارہ میں سفارش جائز نہیں۔ ہاں واقعات کا اگر کسی کو علم ہو تو بتا سکتا ہے۔ مثلاً یہی معاملہ تھا اگر کوئی عینی شاہد ہوتا اور پھر وہ دیکھتا کہ تحقیقات غلط ہوئی ہے تو وہ بتا سکتا تھا کہ میں خود وہاں موجود تھا بات یوں نہیں یوں ہوئی تھی۔ یہ سفارش نہیں بلکہ شہادت ہے جو واجب اور فرض ہے۔ مگر اس کیس میں تو ایسی صورت نہ تھی۔ انہوں نے خود اقرار کیا کہ وہ تیسرے آدمی کے بغیر گئے اور مصری صاحب نے ان سے الگ الگ باتیں کیں۔ میں تو حیران ہوں کہ یہ حساب فہمی ہو رہی تھی یا رشتہ ناطہ کی بات چیت تھی جو کسی دوسرے کے سامنے نہ کی جا سکتی تھی۔ جب ان کے سامنے علیحدہ علیحدہ ملنے کا سوال پیش کیا گیا۔ تو ان کو اسی وقت سمجھ لینا چاہئے تھا کہ اب ہمارے ایمان کے امتحان کا موقع ہے۔ پھر یہ کیا ضروری ہے کہ قرض خواہ مقروض کے مکان پر ہی جا کر مطالبہ کرے۔ قانون نے اور ذرائع بھی رکھے ہیں، ان کو استعمال کیا جا سکتا تھا۔

آئندہ کے لئے میں ناظروں پر بھی یہ بات واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ اگر کسی ایسے معاملہ میں کوئی شخص ان کے پاس سفارش لے کر آئے تو ان کا فرض ہے کہ فوراً میرے پاس اس کی رپورٹ کریں۔ صرف رَدّ کر دینا ہی کافی نہیں۔ اگر مجھے معلوم ہوا کہ ان کے پاس کسی نے سفارش کی اور انہوں نے رَدّ کر دی مگر مجھے رپورٹ نہیں کی تو میں سمجھوں گا کہ منافقت کی رَگ ان کے اندر بھی ہے۔ متواتر شکایتیں آتی رہتی ہیں کہ سفارشیں کی جاتی ہیں۔ میرے اِسی عزیز کے متعلق پہلے بھی ایک دفعہ شکایت آئی تھی کہ دو شخصوں کا آپس میں مقدمہ تھا اور ایک کے متعلق انہوں نے کہا کہ یہ بڑا نیک آدمی ہے، اس کا خیال رکھیں۔ دوسرے فریق کو اس کا علم ہو گیا اور انہوں نے میرے پاس شکایت کر دی۔ میں نہیں سمجھتا کہ انہیں کس نے داروغہ بنایا ہے کہ اس طرح سفارشیں کرتے پھریں۔ ہر شخص اپنے دوستوں کو نیک سمجھتا ہے تو کیا صرف اس وجہ سے کہ کوئی شخص اپنے دوست کے نزدیک نیک ہے، ضروری ہے کہ مقدمہ بھی اس کے حق میں ہو جائے۔ اگر اس سلسلہ کو جاری رہنے دیا جائے تو ہر فریق کے متعلق اس کے دوست آ آ کر کہہ دیا کریں گے کہ وہ نیک آدمی ہے۔ دسؔ[10] اِسے اچھا کہیں گے اور دسؔ[10] اُسے۔ تو کیا اس صورت میں قاضی کسی کے خلاف بھی فیصلہ نہ کرے اور اندھے راجہ کی طرح اپنے آپ کو پھانسی پر لٹکا لیا

کرے؟ یہ طریق نہایت غلط ہے اور منافقانہ ہے۔ میں ان لوگوں کو تو منافق نہیں کہتا مگر ان کا یہ فعل ضرور منافقانہ ہے۔

اسی طرح میں قاضیوں اور ناظروں کو نصیحت کرتا ہوں کہ وہ بہت احتیاط سے کام لیا کریں۔ اگر کوئی ان کے پاس کسی کی سفارش کرے تو ہرگز پرواہ نہ کیا کریں خواہ وہ کتنا ہی بڑا آدمی کیوں نہ ہو۔ میں جانتا ہوں کہ غلطیاں ہو جاتی ہیں بعض اوقات ہمارے گھروں میں بھی عورتیں آجاتی ہیں اور میری بیویوں سے کہتی ہیں۔ بعض دفعہ مجھے معلوم ہؤا ہے کہ میری بیویوں میں سے کسی نے کوئی سفارش اپنے کسی رشتہ دار ناظر یا افسر سے کر دی لیکن جب مجھے معلوم ہؤا تو میں نے ہمیشہ گھر میں ڈانٹا کہ کیوں ایسا کیا گیا۔ کیا ناظر بد دیانت ہے۔ اگر بد دیانت ہے تو اسے علیحدہ کر دینا چاہئے لیکن اگر نہیں تو پھر کہنے کا کیا فائدہ؟ دوسرے اداروں میں سفارشیں ہوتی رہتی ہیں اور چونکہ وہاں سارا نظام ہی اس طرح چل رہا ہے اس لئے بعض اوقات ہم بھی سفارش کر دیتے ہیں۔ جیسے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ دنیا میں اس وقت چونکہ پیسہ کے بغیر کام نہیں چلتا اس لئے اپنا حق لینے کے لئے کسی کو کچھ دے دینا جائز ہے ہاں کسی کا حق لینے کے لئے ایسا کرنا ناجائز ہے یہی حال سفارش کا ہے۔ جہاں یہ چل رہی ہے وہاں اپنا حق لینے کے لئے سفارش کر دینے میں کوئی حرج نہیں لیکن دوسرے کا حق مارنے کے لئے سفارش جائز نہیں لیکن سلسلہ کے نظام میں اسے برداشت نہیں کیا جا سکتا۔ ناظروں کو یہ بھی چاہئے کہ اپنی بیویوں پر دباؤ رکھیں اور ان کو سختی سے روک دیں کہ ایسی باتوں میں دخل نہ دیا کریں۔ میری خلافت کا پچیسواں سال اب ختم ہونے کو ہے مگر کوئی ثابت نہیں کر سکتا کہ میں نے کبھی اپنی بیویوں سے ایسی باتیں کی ہوں۔ بلکہ بعض اوقات لطیفہ ہو جاتا ہے۔ میں ناظروں سے کوئی بات کرتا ہوں وہ اپنی بیویوں سے کر دیتے ہیں وہ میری بیویوں سے کرتی ہیں اور پھر وہ مجھ سے کرتی ہیں کہ سنا ہے یوں ہؤا۔ تو یہ طریق بھی غلط ہے۔ میں نے سلسلہ کی ایسی بات اپنی بیویوں سے کبھی کی ہی نہیں اور افسروں کا بھی فرض ہے کہ اس کا خیال رکھیں۔ ہم نے انہیں مقرر کیا ہؤا ہے ان کی بیویوں کو نہیں۔ انہیں اگر اپنی بیویوں پر اعتماد ہے تو اپنے راز بے شک ظاہر کر دیں مگر سلسلہ کے نہیں۔

پس جس فعل پر ان دو آدمیوں کو سزا دی گئی وہ یقیناً منافقانہ ہے۔ایک شخص کا مسجد اقصیٰ میں قسم کھانا تو الگ رہا اگر تم سارے کے سارے بھی قسم کھاؤ تو میں کہوں گا تم غلط کہتے ہو۔ یہ فعل واقعی منافقانہ ہے۔ان میں سے ایک نے عجیب لطیفہ مجھے لکھا کہ میں نے سلسلہ کا کیا قصور کیا ہے۔ستر روپے گئے تو میرے گئے۔سلسلہ کو کیا نقصان ہؤا۔ یہ تو ایسی بات ہے کہ کوئی احرار کو چندہ دے کر کہے کہ روپیہ تو میرا گیا سلسلہ کو کیا نقصان پہنچا۔تم جو ستّر روپے ایک مخالف کو دے آئے کیا یہ سلسلہ کا نقصان نہیں۔ستّر چھوڑ اگر تم سات روپے بھی دے آتے، سات آنے بلکہ سات دمڑی بلکہ ایک دمڑی بھی دیتے تو بھی سلسلہ کا نقصان تھا۔اس طرح تو ایک کافر بھی کہہ سکتا ہے کہ ابوجہل کے ساتھ مل کر جان تو میں نے اپنی دی خدا تعالیٰ کا اس سے کیا نقصان ہؤا۔تو یہ جواب خود کمزوریٔ ایمان کی دلالت کرتا ہے۔اگر اس کے اندر غیرت ہوتی تو اسے خود معلوم ہو جاتا کہ اس سے سلسلہ پر حرف آتا ہے۔کیا یہ سلسلہ کی ہتک نہیں کہ اس کے دو افراد نے اس کے نظام کو توڑا۔اگر وہ سمجھتا ہے کہ جماعت کے افراد کا روپیہ مخالف کے پاس جانا سلسلہ کا نقصان نہیں تو یہ دوسری رگ منافقت کی ہے مگر میں اسے بھی منافق نہیں کہتا۔اگر وہ اپنے آئندہ طرزِ عمل سے ثابت کر دیں گے کہ وہ منافق نہیں ہیں تو ہمارے بھائی ہیں اور اگر ان کا آئندہ طرزِ عمل ان کو منافق ثابت کرے گا تو خدا تعالیٰ کے سلسلہ کو اس سے کیا نقصان پہنچ سکتا ہے۔اس کے بعد میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ دنیا میں کوئی جماعت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسی پیدا نہیں ہوئی کہ جس میں منافق نہ پیدا ہوئے ہوں۔میں حیران ہوں کہ آپ لوگوں کے دماغ میں یہ بات کیوں نہیں گُھستی۔بعض دفعہ آپ لوگوں کو حیرت ہوتی ہے کہ منافق کہاں سے آجاتے ہیں۔مگر یاد رکھو کہ یہ سُنت اللہ ہے۔آج تک کوئی جماعت ایسی نہیں ہوئی جس میں منافق نہ ہوئے ہوں۔جب بھی کوئی جماعت اللہ تعالیٰ کی طرف سے قائم ہوتی ہے اس میں منافق بھی ضرور ہوتے ہیں۔

مشہور انبیاء جن کے حالات معلوم ہیں، تین ہیں۔سب سے زیادہ حالات رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے محفوظ ہیں اور ان سے اُتر کر حضرت موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام کے ہیں اور زمانہ کے لحاظ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام ان سے پہلے گزرے ہیں۔ اِن کے زمانہ میں

ہم دیکھتے ہیں کہ منافق تھے یا نہیں۔ قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے زمانہ میں منافقوں نے تین مرتبہ بڑا زور پکڑا ہے۔ ایک قصہ تو سامری کا مشہور رہی ہے۔ یہ شخص حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ بڑا اخلاص رکھتا تھا اور آپ کے ساتھ ہجرت کر کے آیا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو الہام ہوا کہ طور پر آؤ ہم تم سے باتیں کریں گے۔ آپ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے لئے وہاں پہنچے اور وہاں عبادت کی اللہ تعالیٰ کو خوش کرنے کی بہت جدوجہد کی جو اللہ تعالیٰ کو بہت پسند آئی اور اس نے آپ کو الہام کیا۔ کہ اس مدت میں ہم دس دن اور بڑھاتے ہیں اور دس دن آپ کو اور الہام ہوں گے۔ پہلے تیس دن تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اَتۡمَمۡنٰهَا بِعَشۡرٍ [4] مگر جب تیس دن گزر گئے اور لوگ حیران ہوئے کہ موسیٰ واپس کیوں نہیں آئے تو سامری جھٹ کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا کہ موسیٰ تو گیا ہے مر۔ اور جس سے وہ باتیں کیا کرتا تھا اس کا مجھے پتہ ہے۔ لوگوں سے جھٹ وہ سونا لیا جو بنی اسرائیل نے فرعونیوں سے قرض لیا ہوا تھا اور ایک بچھڑے کی شکل بنا دی۔ اس کے اندر ایک خَلا رکھا جس سے آواز نکلتی تھی۔[5] جیسے آجکل مکینک وغیرہ بنا لیتے ہیں۔ یہ دیکھ کر بنی اسرائیل کو وہی عقیدت یاد آ گئی جو مصر میں ان کو بچھڑے سے تھی اور جب اس میں سے آواز نکلی تو انہوں نے سمجھ لیا کہ یہ واقعی خدا ہے۔ فوراً ایک جماعت اس کے ساتھ شامل ہوگئی اور آناً فاناً اس کا اتنا رسوخ بڑھ گیا کہ حضرت ہارون علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ تعلقِ اخلاص رکھنے والے دوسرے لوگ ان کو کچھ نہ کہہ سکے۔ ان کو خیال تھا کہ ایسا نہ ہو کہ باہم تلوار چل جائے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام آکر ناراض ہوں۔ انہیں یقین تھا کہ حضرت موسیٰ فوت نہیں ہوئے۔ اللہ تعالیٰ کے حکم سے گئے ہوئے ہیں اور ضرور واپس آئینگے کیونکہ ابھی وہ پیشگوئیاں بھی پوری نہیں ہوئیں جو آپ کی زندگی میں ہونی ہیں اس لئے اگر ہم نے کچھ کہا اور فساد پیدا ہو گیا تو ایسا نہ ہو کہ حضرت موسیٰ آکر ناراض ہوں۔ اور کہیں کہ تمہیں سمجھانا نہیں آیا۔ پس وہ اسی وہم میں کہ ایسا نہ ہو حضرت موسیٰ آکر کہیں کہ تم نے لوگوں کو مرتد کر دیا۔ خاموش رہے نتیجہ یہ ہوا کہ ان منافقوں کی حکومت ہوگئی۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کو بھی الہاماً بتا دیا کہ پتہ بھی ہے پیچھے کیا ہوا ہے۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام غصہ میں واپس آئے[6] اور بائیبل سے معلوم ہوتا ہے کہ تین ہزار منافق قتل کئے گئے۔ تمہیں تو بعض دفعہ یہ

سن کر کہ دو چار آدمی منافق ہو گئے ہیں گھبراہٹ پیدا ہو جاتی ہے کہ اب کیا ہو گا لیکن وہاں تین ہزار کو ایک دن میں سزا دی گئی۔ میں نے کہا ہے کہ قتل کئے گئے۔ بائیبل میں بھی یہی لفظ ہے۔[7] قرآن کریم میں بھی قتل کا لفظ آیا ہے۔ قتل بعض دفعہ اور طریق سے بھی ہوتا ہے۔ ممکن ہے یہ قتل بائیکاٹ کی صورت میں ہی ہو جیسا کہ احادیث سے پتہ لگتا ہے۔ یا ممکن ہے ان کی شریعت میں ہر منافق کی سزا قتل ہی ہو۔ بہر حال تین ہزار منافق تھے۔ ذرا اندازہ کرو کتنی بڑی تعداد ہے۔ دوسرا واقعہ قارون کا ہے۔ سامری کو تو صرف پڑھے لکھے لوگ ہی جانتے ہیں مگر قارون سے ہمارے زمیندار بھائی بھی واقف ہیں۔ کہتے ہیں بڑا قارون کا خزانہ دے دیا ہے۔ یا کسی سے مانگتے ہی جاؤ تو وہ کہتا کہ کہ کیا میرے پاس قارون کا خزانہ ہے۔ تو یہ شخص بہت مالدار تھا۔ یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھیوں میں سے تھا مگر اندر ہی اندر آپ کے خلاف کوششیں کرتا رہتا تھا۔ آخر اللہ تعالیٰ نے اسے ہلاک کر دیا۔ گویا اسے آسمانی سزا ملی۔ تیسرا واقعہ وہ ہے۔ جس کی طرف قرآن کریم نے اٰذَوْا مُوْسٰی[8] والی آیت میں اشارہ کیا ہے۔ حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی قوم میں سے ایک جماعت یہ کہنے لگ گئی تھی کہ آپ کو کوڑھ ہو گیا ہے۔ بعض کا خیال تھا کہ آپ کے خصیوں میں پانی بھر گیا ہے اور اسے بھی وہ لوگ عیب سمجھتے تھے۔ بعض کا خیال تھا کہ خصیوں پر کوڑھ ہے۔ بعض لوگوں کو بوجہ اس کے کہ ان کا چمڑا نرم ہوتا ہے بعض دفعہ کھجلی کی ضرورت پیش آتی ہے ممکن ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھی یہ تکلیف ہو اور وہ اس سے سمجھتے ہوں کہ کوڑھ ہے۔ حدیثوں میں ایک واقعہ آتا ہے جس کی مَیں تو اور تاویل کیا کرتا ہوں مگر بہر حال آتا یوں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک مرتبہ نہانے لگے تو ایک پتھر پر کپڑے رکھے اور وہ پتھر کپڑے لے کر بھاگ گیا حضرت موسیٰ علیہ السلام اس کے پیچھے بھاگے اور ان لوگوں نے دیکھ لیا کہ آپ کے اندامِ نہانی پر داغ نہیں تھے۔ وہاں بِحَجَر کا لفظ ہے۔[9] میں سمجھتا ہوں کہ اگر یہ واقعہ اسی طرح ہے تو حجر کسی شخص کا نام ہو گا یہ نام ہوتا ہے۔ ابنِ حجر ایک بہت بلند پایہ امام گزرے ہیں۔ گزشتہ تیرہ سو سال میں جو چند ایک ممتاز علماء پیدا ہوئے ہیں ان میں سے ایک ہیں۔ وہ پتھر کے بیٹے تو نہیں تھے یا تو کسی وجہ سے یہ ان کی کنیت تھی اور یا پھر ان کے باپ کا نام حجر ہو گا۔

اس کے علاوہ ایک اَور واقعہ بھی ہے جس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہن مریم اور خاندان کے بعض اَور افراد بھی شامل تھے۔ یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر زنا کے الزام کا واقعہ ہے۔

قارون کے واقعہ اور اس واقعہ کو اگر اکٹھا ہی سمجھ لیا جائے تو یہ تین واقعات منافقوں کے ہیں اور اگر یہ علیحدہ ہے تو چار ہیں لیکن اگر اسے علیحدہ نہ بھی سمجھا جائے تو بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خلاف کم سے کم تین مرتبہ منافقوں نے بغاوت کی ہے۔ ان کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام آئے ہیں اور ان کے بارہ حواریوں میں سے ایک جو سب سے زیادہ آپ کا مقرّب تھا۔ اور جس کا دعویٰ تھا کہ خواہ ساری دنیا چھوڑ دے میں آپ کو نہیں چھوڑوں گا اور جو ان کے ساتھ ایک تھالی میں کھانا کھایا کرتا تھا آخر اسی نے آپ کو پکڑوا دیا۔ واقعات اس قسم کے ہیں کہ اگر اس وقت آپ نہ پکڑے جاتے تو شاید بچ جاتے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی معلوم ہوتا ہے کہ پتہ لگ گیا تھا وہ چھُپ گئے تھے اور بھیس بدل لیا تھا جس سے کوئی پہچان نہیں سکتا تھا۔ یہودا اسکریوطی کو چونکہ علم تھا کہ کیا بھیس بدلا ہؤا ہے اس نے سرکاری افسروں سے سازباز کی اور کہا کہ میں جا کر جسے پکڑ کر پیار کروں گا سمجھنا وہی عیسیٰ ہے۔ چنانچہ وہ گیا اور جا کر آپ کو چوما۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی الہام سے علم ہو چکا تھا اور آپ نے فرمایا کہ میں نے جو بات کہی تھی وہ پوری ہوگئی۔ میں نے کہا تھا کہ ''جس نے طباق میں ہاتھ ڈالا ہے وہی مجھے پکڑوائے گا۔''[۱۰]

اس کے بعد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ آیا۔ آپ کا حال بھی ظاہر ہے۔ ایک دو نہیں بلکہ ایک زمانہ ایسا آیا کہ آپ کو ماننے والوں کا قریباً تیسرا حصہ منافق ثابت ہؤا۔ اُحد کی جنگ کے موقع پر جتنے مسلمان تھے سب کے سب شامل ہوئے حتّٰی کہ بچے بھی شریک ہوگئے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ پندرہ سال سے کم عمر کے بچے واپس چلے جائیں۔ ایک لڑکے نے کہا یَا رَسُوْلَ اللّٰہ! میں تیر بہت اچھا چلانا جانتا ہوں دوسروں نے بھی کہا کہ واقعی اس کا نشانہ بہت اچھا ہے خطا نہیں جاتا۔ آپ نے فرمایا اسے رہنے دو مگر اس کا مدمقابل ایک اور ساتھی تھا وہ بھی پندرہ سال سے کم عمر کا تھا۔ وہ رونے لگ گیا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی بیوی سے شاید اس کا کوئی رشتہ تھا یا کوئی رضاعی رشتہ ہوگا اس نے ان سے جا کر کہا کہ

اس طرح فلاں لڑکے کو شامل کر لیا گیا ہے حالانکہ میں تو اسے گرا لیتا ہوں۔ انہوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ یہ لڑکا اس طرح کہتا ہے۔ آپ کو اس بات کا لطف آیا چنانچہ آپ نے فرمایا کہ اچھا آؤ دونوں کی کشتی کراتے ہیں۔ یہ لڑکا طاقتور تھا یا نہ تھا مگر چونکہ اس کے دل میں جوش تھا کہ کسی نہ کسی طرح شامل ہو جاؤں اس لئے ایسا زور لگایا کہ اسے گرا کر سینہ پر بیٹھ گیا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اب تمہارا حق ہو گیا۔[11] اب چلو۔ تو پندرہ پندرہ برس کے بچوں کو بھی ساتھ لے جانا بتاتا ہے کہ وہ وقت مسلمانوں کے لئے کس قدر خطرناک تھا مگر سب کو مِلا کر مسلمانوں کی تعداد ایک ہزار تھی اور مقابل پر مکّہ کے کفار کا لشکر تین ہزار تھا اور کچھ لوگ دوسری قوموں کے بھی تھے لیکن جب یہ ایک ہزار کا لشکر مدینہ سے تین چار میل باہر آیا تو عبداللہ بن ابی کے ساتھ تین سو مسلمان واپس ہو گئے کہ ہم نہیں جا سکتے ذرا اس حالت کا اندازہ کرو کہ ایک ہزار میں سے تین سو لوٹ پڑتے ہیں اور اس جگہ سے لوٹتے ہیں جہاں خدا تعالیٰ کا رسول خود موجود ہے۔ اس کی نظروں کے سامنے اٹھتے اور واپس ہو جاتے ہیں۔ اور تین سو ہزار میں سے تیس فیصدی ہے۔ قادیان میں دس ہزار احمدی آباد ہیں۔ اس نسبت سے تین ہزار بنتا ہے مگر وہاں تین سو آدمی ایسے نازک موقع پر چلے جاتے ہیں اور صحابہ ذرا بھر پرواہ نہیں کرتے۔ مگر تم ہو کہ تین آدمیوں کے منافق ہونے کا علم ہونے سے گھبرا جاتے ہو حالانکہ خدا تعالیٰ کے سلسلہ میں تین نہیں، تین سَو، تین ہزار بلکہ تین لاکھ بھی منافق ہوں اور کامل مؤمن ان کے مقابلہ میں ایک ہی ہو تو بھی وہ نہیں ڈرے گا۔ اور کہے گا کہ تم شیطان کے ساتھی ہو اس لئے بے شک اس کی طرف چلے جاؤ لیکن میں خدا تعالیٰ کا ہوں اس لئے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤں گا۔

حضرت انسؓ بن نضر ایک صحابی تھے جو جنگ بدر میں شامل نہ ہوئے تھے کیونکہ اس وقت کوئی عام احساس نہ تھا کہ لڑائی ہوگی اس لئے خصوصاً انصار میں سے بہت سے لوگ رہ گئے تھے۔ جب انہوں نے جنگ کی خبر سُنی تو دل میں غصہ آتا تھا اور کہتے تھے کہ اگر پھر کبھی جنگ ہوئی تو میں اللہ تعالیٰ کو بتاؤں گا کہ کس طرح لڑا کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ دیکھ لے گا کہ مؤمن کس طرح لڑتے ہیں۔ یہ گو جہالت کی بات تھی مگر چونکہ وہ اخلاص سے کہتے تھے اور ایسی ہی بات تھی

جیسے حضرت موسیٰ اور گڈریئے کا واقعہ ہے اور گو یہ ایسی بات تھی جو معمولی ایمان والے شخص کو مرتد کرنے کے لئے کافی تھی مگر چونکہ وہ کمال اخلاص اور دین کی خدمت کی حسرت سے کہہ رہے تھے اس لئے اللہ تعالیٰ نے اسے قبول کیا اور کچھ عرصہ بعد اُحد کی جنگ پیش آ گئی جس میں پہلے مسلمانوں کو فتح ہوگئی۔ بعض مستغنی المزاج لوگوں نے کہا کہ فتح تو ہوگئی مال کیا کرنا ہے اس لئے ادھر ادھر پھیل گئے لیکن بعد میں فتح شکست سے بدل گئی۔ ابو عامر ایک شخص کفار کے لشکر میں تھا اس کی یہودیوں کے ساتھ رشتہ داری تھی مگر وہ مکہ چلا گیا تھا ہوشیار آدمی تھا۔ اسے معلوم تھا کہ مسلمان جیت جایا کرتے ہیں اس لئے اس نے گڑھے کھود کر اوپر تنکے وغیرہ ڈال دیئے تھے تا مسلمان فتح پانے کے بعد جب آگے بڑھیں گے تو ان میں گر جائیں گے۔ انہی گڑھوں میں سے ایک میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم گر گئے۔ آپ کے اوپر کئی اور صحابہ شہید اور زخمی ہو کر گرے۔ اور یہ خیال ہو گیا۔ کہ آپ شہید ہو گئے ہیں۔ یہی حضرت انس بن نضر کھجوریں کھاتے پھرتے تھے کہ حضرت عمرؓ کو ایک پتھر پر سر جھکائے نہایت دلگیر دیکھا تو پوچھا کہ پریشانی کی کیا وجہ ہے۔ مسلمانوں کو فتح ہوئی یہ خوش ہونے کی بات ہے یا غمگین ہونے کی۔ حضرت عمرؓ نے کہا نضر تمہیں پتا نہیں کیا ہو گیا؟ دشمن نے پھر حملہ کر دیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہو گئے۔ حضرت نضرؓ کھجوریں کھا رہے تھے صرف ایک کھجور باقی تھی وہ بھی پھینک دی اور کہا کہ میرے اور جنت کے درمیان کیا ہے صرف ایک کھجور ہے۔ اور حضرت عمرؓ سے کہا کہ جب محمد صلی اللہ علیہ وسلم نہیں رہے تو ہم نے دنیا میں رہ کر کیا کرنا ہے۔[۱۲] تلوار لے کر دشمن پر ٹوٹ پڑے اور آخر شہادت پائی۔ جب لاش دیکھی گئی تو اسّی زخم تھے۔ آپ کی انگلی پر ایک نشان تھا اور اسی سے آپ کی بہن نے لاش کو شناخت کیا ورنہ پہچاننا مشکل تھا۔[۱۳] یہ وہ شخص تھا کہ جس نے جب سنا کہ لوگ بھاگ گئے ہیں تو اس نے کہا کہ انہوں نے اپنے اعمال کا جواب دینا ہے اور میں نے اپنے کا۔ مجھے کیا اگر دوسرے بھاگ گئے ہیں، میں تو وہیں جاؤنگا جہاں رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ تو دیکھو ایسے نازک موقع پر تین سَو آدمی ہزار میں سے لَوٹ جاتا ہے مگر صحابہ بھی کس دل گُردے کے آدمی تھے کہ پرواہ نہیں کرتے۔

اسی طرح ایک اور مخلص صحابی کا واقعہ ایسا رقّت انگیز ہے کہ کوئی شخص بغیر رقّت اسے

پڑھ بھی نہیں سکتا چہ جائیکہ بیان کر سکے۔ جب یہ تین سو آدمی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر لَوٹ گئے تو عبداللہ بن عمرو جو انصار میں سے تھے، مسلمان اور خصوصاً احمدی ان کو جانتے ہیں، جیسا کہ میں آگے چل کر بتاؤں گا وہ یہ برداشت نہ کر سکے۔ اور انہیں سمجھانے کے لئے یہ واقعہ بتاتا ہے کہ اس وقت تین سَو کے لَوٹنے سے ان کا مؤمنانہ استغناء بھی متزلزل ہو گیا تھا، خیر تو حضرت عبداللہ بن عمرو ان کے پاس گئے اور جو الفاظ انہوں نے کہے وہ بتاتے ہیں کہ اس وقت ان کی وہی حالت تھی جو ہمارے ملک میں ایک مصیبت زدہ کی ہوتی ہے جو شدتِ غم اور بے بسی کی حالت میں اپنے پر رحم دلانے کے لئے ہاتھ باندھ باندھ کر اپنے مخاطب سے التجا کرتا ہے کہ وہ الفاظ جن میں انہوں نے ان منافقوں کو مخاطب کیا وہ یہ ہیں۔ اے میری قوم! میں تمہیں خدا تعالیٰ کا واسطہ دیتا ہوں کہ اس طرح اپنے نبی کو چھوڑ کر نہ جاؤ۔[۱۴] ان کی یہ بات بتاتی ہے کہ اُس وقت حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے لئے ایسا خطرہ پیدا ہو گیا تھا کہ عبداللہ جیسے بہادر کے مؤمنانہ استغناء میں بھی تزلزل آ گیا مگر ان ظالموں نے آگے سے یہ جواب دیا کہ اگر ہم جانتے کہ یہ لڑائی ہے تو ضرور لڑتے۔ یعنی یہ تو لڑائی نہیں خودکشی ہے۔ ایک دوست نے کچھ عرصہ ہؤا میرے ایک خطبہ میں یہ معنی سن کر مجھے لکھا تھا کہ اس آیت کے تو یہ معنی ہیں کہ ہمیں لڑنا آتا تو ہم کبھی واپس نہ لَوٹتے لیکن اس واقعہ سے ثابت ہوتا ہے کہ معنی وہی صحیح ہیں جو مَیں کرتا ہوں۔ عبداللہ بن اُبَی ایک جرنیل تھا اُسے کیا لڑنا نہیں آتا تھا؟ یہاں نَعْلَمُ کے معنے نَعْرِفُ ہیں۔ یعنی اگر ہم اسے قتال قرار دیتے، اگر اسے لڑائی سمجھتے تو یہ تو خودکشی ہے۔ جب اُنہوں نے یہ جواب دیا تو حضرت عبداللہ نے کہا کہ اچھا اگر جاتے ہو تو جاؤ پرواہ نہیں ہم تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاتے ہیں۔ وہ (حضرت عبداللہ بن عمرو) بھی شہید ہوئے اور ان کی لاش پر بھی بہت زخم تھے۔ غریب آدمی تھے اور خاندان بڑا تھا اس لئے مقروض بھی رہتے تھے۔ ان کے لڑکے حضرت جابر کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ سر نیچے ڈالے بیٹھے ہیں تو دریافت فرمایا کہ جابر کیوں کیا بات ہے؟ اس نے عرض کیا یَا رَسُوْلَ اللہ! آپ جانتے ہیں باپ مر گیا ہے۔ عیالداری ہے، قرضہ بھی بہت ہے اور یہ سب بوجھ مجھ پر آ پڑا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تمہیں علم ہو کہ تمہارے باپ کے ساتھ

اللہ تعالیٰ نے کیا سلوک کیا تو تم ہرگز ملول نہ ہو۔ دوسروں کے ساتھ تو اللہ تعالیٰ حجاب کے پیچھے سے بات کرتا ہے مگر تمہارے والد کو بالمشافہ بلایا اور فرمایا عبداللہ مانگ جو مانگنا ہے، میں دوں گا۔ اس پر عبداللہ نے کہا کہ اے اللہ! میرا مطالبہ یہی ہے کہ مجھے پھر زندہ کر تا مَیں پھر تیری راہ میں مارا جاؤں۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے جواب دیا کہ اگر میں نے اپنی ذات کی قسم نہ کھائی ہوتی کہ مُردے دنیا میں واپس نہیں لوٹائے جائیں گے۔[15] تو میں ضرور تجھے واپس کر دیتا۔ یہی وہ حدیث ہے جسے ہم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے جسمانی مُردوں کے زندہ نہ کر سکنے کے متعلق ہمیشہ پیش کیا کرتے ہیں اور اس وجہ سے اکثر احمدی ان کے نام سے واقف ہیں۔ جب ان عبداللہ بن عمرو کی وفات کی خبر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی تو آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ انصار پر فضل کرے ان میں سے عبداللہ نے ہماری بہت خدمت کی ہے۔ تو یہ کتنا نازک موقع تھا مگر تیس فیصدی لوگ واپس ہو گئے اور اس سے صحابہ کو قطعاً کوئی ابتلاء نہیں آیا۔ مگر تمہارے لئے کیا کبھی اس کا دسواں حصہ بھی ابتلاء آیا ہے؟ تمہارے لئے تو اس کا سواں حصہ بھی نہیں آیا۔

اس کے بعد اسلام کو شوکت حاصل ہوتی گئی اور جوں جوں مسلمان بڑھتے گئے منافقوں کی نسبت بھی کم ہوتی گئی۔ جب مسلمان دو ہزار ہو گئے تو منافق جو تین سو تھے لازماً پندرہ فیصدی ہو گئے۔ جب مؤمن پانچ ہزار ہوئے تو منافق چھ فیصدی رہ گئے، جب مؤمن دس ہزار ہوئے تو منافق تین فیصدی باقی رہ گئے۔ چاہے تعداد ان کی اس وقت بھی تین سو ہی ہو مگر نسبت کم ہوگئی۔ اس طرح ان کی تعداد کم ہوگئی اور یہ ابھرنے سے رہ گئے مگر جب اسلام دوسرے ملکوں میں پھیلا تو ان علاقوں میں جہاں تربیت مکمل نہ ہوئی تھی ان لوگوں نے پھر زور پکڑا خصوصاً جب غیر قوموں سے مقابلہ ہوتا تو ان میں بھی جوش پیدا ہوتا۔ جیسا کہ پچھلے دنوں جب حکومت سے ہمیں بعض اختلافات ہوئے تھے تو منافق کہتے تھے کہ اب کام بن گیا۔ اب انگریزوں سے لڑائی شروع ہوگئی ہے۔ ذرا کسی سپاہی نے سلام کر دیا۔ کہ اس طرح واقفیت پیدا کر کے کچھ باتیں معلوم کرے تو ان کا دماغ عرش پر پہنچ گیا کہ سپاہی نے ہم سے بات کی۔ منافقوں کے دماغ ایسے ہی ہوتے ہیں جیسا کہ ایک چوہڑے کا تھا۔ جب مہاراجہ رنجیت سنگھ فوت ہوئے تو چونکہ ان کی حکومت کے زمانہ میں ایک نظام قائم ہوا تھا اور عدل بھی ہونے لگا تھا اس لئے لوگوں کو

بہت صدمہ ہوا۔ وہ بہت رو رہے تھے کہ ایک چوہڑا ادھر سے گزرا۔ پوچھنے لگا کہ کیا ہوا لوگ اتنا رو رہے ہیں؟ کسی نے بتایا کہ مہاراجہ کا انتقال ہوگیا ہے۔ سن کر کہنے لگا کہ میں نے سمجھا خبر نہیں کیا ہوگیا ہے کہ لوگ ایسے بے تاب ہیں۔ جب باپو یعنی میرے باپ جیسے لوگ مر گئے تو مہاراجہ رنجیت سنگھ بے چارہ کس حساب میں تھا کہ وہ نہ مرتا۔ اس طرح ان کے نزدیک بھی سپاہی یا تھانہ دار کا سلام بڑی چیز ہے۔ گھر پہنچتے ہیں تو پیر زمین پر نہیں لگتے کہ سرکاری افسر نے ہمیں سلام کر دیا۔ حالانکہ سمجھتے نہیں کہ اس نے تمہارے چہرہ پر نفاق دیکھا اور سلام کر دیا کہ اس سے کام لیں گے۔ اس طرح مسلمانوں کی جب روم والوں سے لڑائی شروع ہوئی تو منافقوں نے کہا کہ اب گئے۔ چنانچہ منافقوں نے ابو عامر راہب کی مدد سے پھر آپس کی تنظیم کی اور ایک بستی الگ بسائی اور اس میں علیحدہ مسجد بنائی اور علیحدہ گاؤں بنالیا۔ ابو عامر راہب بھیس بدل کر آیا اور صوفی بن کر مسجد میں رہنے لگا۔ ان لوگوں نے یہ تجویزیں کرنا شروع کر دیں کہ کسی طرح روم کی حکومت سے مسلمانوں کی لڑائی کرائی جائے اور جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ادھر جائیں تو مدینہ میں بغاوت کر دی جائے اس لئے انہوں نے مشہور کرنا شروع کیا کہ رومیوں کا لشکر مدینہ پر حملہ کے لئے آرہا ہے۔ اس خبر سے مسلمانوں میں شور پیدا ہوا کیونکہ ان کے لئے یہ ایسی ہی خبر تھی جیسے کوئی کہے کہ ریاست کپورتھلہ یا مالیر کوٹلہ پر انگریز فوج کشی کر رہے ہیں۔ کُجا وہ سلطنت جو یورپ سے شروع ہوکر ایران تک آتی تھی اور مصر بھی اس کے ماتحت تھا اور کئی ممالک اس کے باجگذار تھے اور جو بیک وقت چار پانچ لاکھ کا لشکر میدان میں لاسکتی تھی بلکہ بعض جنگوں میں تو رومی آٹھ دس لاکھ آدمی بھی لائے ہیں اور کجا وہ لوگ جن کا سارا لشکر ہی دس پندرہ ہزار تھا۔ چنانچہ ان لوگوں نے مشہور کر دیا کہ رومی حملہ کر رہے ہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اس کی خبر ہوئی تو آپ نے فرمایا کہ بہتر ہوگا ہم باہر جا کر مقابلہ کریں۔ چنانچہ آپ مسلمانوں کو ساتھ لے کر چل پڑے۔ رستہ میں جب پوچھنا شروع کیا کہ یہ خبر کہاں سے نکلی ہے تو اس کی حقیقت کھلی۔ کسی نے بھی یہ اقرار نہ کیا کہ ہم نے لشکر کو آتے دیکھا ہے۔ آپ کو شُبہ ہوا کہ یہ منافقوں کی شرارت ہے اور آپ تھوڑی دور سے ہی واپس آگئے۔ منافق بہانوں سے پہلے ہی ساتھ نہ گئے تھے ان کو خیال تھا کہ اس خبر کے زیرِ اثر مسلمان جاتے ہی رومی علاقہ پر حملہ کر دیں گے

اور پھر رومی خود بخود ان کے مقابلہ پر آئیں گے مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا تو یہ طریق ہی نہ تھا دشمن اگر حملہ کرے تو آپ کرتے تھے ورنہ نہیں۔ جب مسلمان واپس آ گئے تو ان کی امیدیں ناکام ہو گئیں۔ آخر آپ نے اس مسجد کو مسمار کرا یا[۱۶] اور اس کی جگہ مَیلہ کا ڈھیر بنایا گیا بلکہ اس محلّہ کو ہی آپ نے گروا دیا۔ پھر آپ کی وفات کے بعد تو یہ فتنہ اس طرح اٹھا کہ صرف اڑھائی شہر ایسے رہ گئے جہاں نماز باجماعت ہوتی تھی ورنہ سب جگہ آگ لگ گئی تھی۔ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں یہ اِکّا دُکّا رہے مگر حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے زمانہ میں پھر زور پکڑا۔

تو منافقوں کا ہر زمانہ میں موجود رہنا ضروری ہے۔ کیا تم سمجھتے ہو کہ شیطان سو جائے گا اگر رحمانی فوجیں کام کرتی رہتی ہیں تو شیطانی بھی غافل نہیں رہ سکتیں۔ یہ شیطان کا دستور ہے کہ وہ ہمیشہ ایسے آدمی کھڑا کرتا رہتا ہے جن سے اسلام کو نقصان پہنچے اس لئے ہماری جماعت اگر یہ خیال کرتی ہے کہ کسی وقت منافق باقی نہیں رہیں گے تو یہ اس کی غلطی ہے۔ کوئی قوم ایسی نہیں ہوئی کہ جس کے سو فیصدی افراد مؤمن اور مخلص ہوں۔ یہ خدا تعالیٰ کے نظام کو باطل کرنے والی بات ہے۔ یہ خدا تعالیٰ کا قانون ہے کہ ایسا نہیں ہوسکتا۔ پس یہ امید ہرگز نہیں کرنی چاہئے کہ منافق ختم ہو جائیں گے۔

اب چونکہ سوا تین بج چکے ہیں اس لئے باقی باتیں آئندہ مَیں انشاء اللہ بیان کروں گا۔ اس وقت صرف یہی کہہ کر ختم کرتا ہوں کہ منافق ہر جماعت میں ہوتے رہتے ہیں اس لئے ہمیں یہ خیال کبھی نہیں کرنا چاہئے کہ یہ ہم میں کس طرح پیدا ہو گئے۔ تم رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر تو نہیں ہو سکتے۔ اگر آپ کے ایک ہزار ساتھیوں میں سے تین سو آدمی منافق ہو سکتے ہیں تو تم میں سے اگر دو، چار، دس یا زیادہ منافق نکل کھڑے ہوں تو گھبرانے کی کونسی بات ہے۔“

(الفضل ۵؍اگست ۱۹۳۸ء)

۱؎ يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا وَّيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا (البقرۃ: ۲۷)

۲؎ اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ (المنافقون: ۲)

۳؎ بخاری کتاب الحدود باب كَرَاهِيَة الشَّفَاعَة فی الحَدّ (الخ)

۴؎ الاعراف: ۱۴۳

۵ وَ اتَّخَذَ قَوْمُ مُوْسٰى مِنْۢ بَعْدِهٖ مِنْ حُلِيِّهِمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ ؕ (الاعراف:۱۴۹)

۶ وَلَمَّا رَجَعَ مُوْسٰٓى اِلٰى قَوْمِهٖ غَضْبَانَ اَسِفًا ۙ (الاعراف:۱۵۱)

۷ خروج باب ۳۲ آیت ۲۸۔ برٹش اینڈ فارن بائبل سوسائٹی لندن ۱۸۸۷ء

۸ الاحزاب:۷۰

۹ بخاری کتاب الغسل باب مَنِ اغْتَسَلَ عُرْيَانًا (الخ)

۱۰ متی باب ۲۶ آیت ۲۰ تا ۲۳ برٹش اینڈ فارن بائبل سوسائٹی لندن

۱۱ اسد الغابة جلد ۲ صفحہ ۳۵۴ مطبوعہ ریاض ۱۲۸۵ھ

۱۲، ۱۳ سیرت ابن ھشام جلد ۳ صفحہ ۸۸ مطبوعہ مصر ۱۹۳۶ء

۱۴ ابن ماجه کتاب الجهاد باب فضل الشهادة فی سبیلِ اللّٰہ۔

۱۵ اسد الغابة جلد ۳ صفحہ ۲۳۲ مطبوعہ ریاض ۱۲۸۶ھ

۱۶ سیرت ابن ھشام جلد ۴ صفحہ ۱۷۳، ۱۷۴۔ مطبوعہ مصر ۱۹۳۶ء